رُوداد اِبتلاء : احمد رائف مصری

ترجمہ جناب خلیل الحامدی

(۳)

میں نے دیکھا بڑے بھاری بھرکم اور صاحب عزت وجاہ لوگوں کو قلعہ میں لایا جاتا مگر اُن کا جسمانی وزن یا علمی و معاشرتی وقار اُن کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی وزن نہ رکھتا تھا۔ فوج کے افسر اُن کے کپڑے اُتار دیتے اور لاٹھیوں سے اُن پر ٹوٹ پڑتے۔ انہیں نہایت دردانگیز قاتلانہ ضربیں لگاتے، یہ دیکھے بغیر کہ یہ ضربیں جسم کے کس حصّہ پر لگ رہی ہیں۔ اس قدر مارتے کہ وہ بیہوش ہوجاتے۔ وہ اپنی ہر نوعیت کی طاقت کھو بیٹھتے ــــــ پھر اس حالت میں کہ ان کی شکلیں بگڑ چکی ہوتیں اور وہ برہنہ تن ہوتے انہیں افسروں کے سامنے کھڑا ہونے کا حکم دیا جاتا اور ان پر سوالات اور استفسارات کی بارش کی جاتی اور ساتھ ہی گھونسوں، مکّوں اور پاؤں کی ٹھوکروں کی بارش بھی، اور گالیوں کی بوچھاڑ بھی۔ اپنے جرم سے بے خبر ملزم مسکین کا اپنا بیان کیا ہے، تفتیش کنندگان کو اس کی اس قدر پروا نہ ہوتی جس قدر انہیں اس بات کی پروا ہوتی کہ وہ یہ اقبال کرے کہ وہ حکومت کا تختہ اُلٹنے کی سازش میں شریک تھا اور قبل اس کے کہ سازش کامیاب ہوتی اُسے پکڑ لیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ مجھے خود ایک فوجی افسر نے قلعہ میں کہا تھا: "پوری قوم مُجرم اور سازشی ہے، الّا یہ کہ کوئی اپنی برأت اور بے گناہی ثابت کر دے۔"

یہ تدبیر کچھ وقت کے لیے تو کامیاب ہوجاتی تھی۔ چنانچہ اگر کوئی شخص دروغ گوئی، افتراء پردازی اور خیالی سازشوں کے اختراع کا راستہ اختیار کرلیتا تو تازیانۂ تعذیب اُس سے ہٹا لیا جاتا۔ مگر جلد ہی اُن لوگوں پہ یہ واشگاف ہوجاتا کہ وہ جھوٹا بیان دے رہا ہے اور وہ اُسے

اور زیادہ وحشیانہ اور بہیمانہ تعذیب کے حوالے کر دیتے۔

اگست ۱۹۶۵ء کے آخری ایام میں قلعہ کی دہشتناک جیل کے اندر ایسے ہی حالات گزرتے رہے۔ آخر کار میں سمجھ گیا کہ میری گرفتاری کیوں عمل میں آئی۔

ملٹری انٹیلی جنس کے لوگ یحییٰ حسین کو گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ پہلے میں یحییٰ حسین کی طرف اشارہ کر آیا ہوں۔ اس کو جب اپنی گرفتاری کا شبہ ہوا تو وہ فرار ہو گیا۔ چنانچہ انٹیلی جنس والوں کے وتیرہ کے مطابق اب یحییٰ حسین کے طالب علمی کے زمانے کے دوستوں اور دورانِ ملازمت کے ساتھیوں کا گرفتار کیا جانا ناگزیر تھا۔ جونہی اس کے فرار کی اطلاع ملی چند ساعتوں کے اندر اس کے تمام احباب و اصحاب کو دھر لیا گیا۔ جس انسان کا بھی یحییٰ حسین کے ساتھ کسی نوعیت کا کوئی تعلق تھا وہ اس زد میں آ گیا۔ زرعی کالج کے متعدد لوگ، ہوا بازی کی تربیت کے ادارے کے متعدد افراد، اس کے ایسے جملہ دوست جو کالج یا ادارے سے باہر کے تھے، غرض سب گرفتاریوں کی لپیٹ میں آ گئے۔ میں آخر الذکر قسم کے دوستوں میں سے تھا۔ گرفتار شدگان میں جن کی تعداد ایک سو سے بڑھ چکی تھی، ایک ایسا انسان بھی تھا جس کے بارے میں یہ تفتیش کی جا رہی تھی کہ اس کے ساتھ کس کس شخص کا تنظیمی رابطہ تھا۔ بہر حال یہ گرفتاریاں طرفہ ورنوں سے خالی نہ تھیں۔

یہ عبدالرؤف عبدالناصر، شریف خاندان کا چشم و چراغ ہے۔ اس کا والد سابقہ مجلس اعیان کا ممبر رہ چکا ہے۔ یہ ۱۹۵۲ء سے لے کر ۱۹۵۶ء تک سوئٹزرلینڈ میں رہا ہے اور یہ فارمیسی کی تعلیم حاصل کرتا رہا ہے۔ کیمسٹری اور فارمیسی میں بی اے کرنے کے بعد مصر واپس آیا۔ اور پھر اس کے جی میں کیا آئی کہ شہری ہوا بازی کے ادارے میں داخلہ لے لیا۔ پائلٹ بن گیا۔ شارع القصر العینی پر اس نے فارمیسی کی دکان بھی کھول لی۔ اس کے اوقات دو حصوں میں بٹ گئے۔ دکان پر بھی بیٹھتا۔ اور ہوائی جہاز کی بیرونی پروازوں کے اندر پائلٹ کے طور پر ملک سے باہر بھی چلا جاتا۔ مایا اس پر نچھاور ہو گئی اور اس نے خوب دونوں ہاتھوں سے کمائی کی۔ دکان کی آمدنی بھی اور بیرونِ ملک پروازوں کی بدولت ہلکی پھلکی تجارت سے بھی۔ دین سے اسے کوئی واسطہ نہ تھا۔ سیاسی امور سے بھی لاتعلق تھا۔ سیاست کا وہ ایک حرف بھی نہ جانتا تھا۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہ تھی کہ کون اقتدار پر آتا ہے اور کون اقتدار سے نکلتا ہے۔ حکومت کس کا حق ہے اور کس کا نہیں ہے۔ عیش و عشرت، لذت و تنعم اور فارغ البالی

کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ امرِ واقع کے لحاظ سے بھی اُس کے اندر اس کے سوا کوئی عیب نہیں تھا کہ وہ ہوا بازی کی تربیت کے ادارے میں اُس گروپ کا ایک فرد تھا جس میں یحییٰ حسین بھی شامل تھا۔

عبدالرؤف کو تفتیش کے لیے لایا گیا۔ جب وہ لندن سے آرہا تھا تو قاہرہ ایرپورٹ پر ہی اُسے گرفتار کر لیا گیا تھا۔ ایرپورٹ پر اُسے کہا گیا کہ صرف پانچ منٹ کے لیے اُسے بلایا جارہا ہے۔ بیگ سمیت اُسے قلعہ لایا گیا اور اس قدر اُسے زدو کوب کیا گیا کہ قریب تھا کہ وہ دم توڑ دے۔ بعد میں عبدالرؤف نے خود مجھ سے یہ طرفہ حکایت بیان کی کہ اُسے سر کے بل لٹکا کر مارا گیا۔ اسی حالت میں اُس نے اپنے چند اور پائلٹ ساتھیوں کو وہاں اُلٹے لٹکا ہوا دیکھا ــــــ مثلاً محمد الغنام، خالد سیف، ضیاء الطوبجی۔ چنانچہ اُس نے یہ قیاس کیا کہ شاید مصری ایر کمپنی کے اندر کرپشن اور بداخلاقی بہت پھیل گئی ہے، اس لیے حکومت کمپنی کے کارکنوں کی تادیب کرنا چاہتی ہے اور اسی غرض کے لیے یہ سب لوگ یہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ جب اُس کے بیگ کی تلاشی لی گئی تو اُس میں سے اعلیٰ قسم کی وسکی کی دو بوتلیں نکلیں۔ یہ اس امر کی واضح دلیل تھی کہ یہ شخص اسلام کی "تہمت" سے بری ہے۔ مگر یہ دلیل بھی اُس کے کچھ کام نہ آئی۔

خالد سیف، زرعی کالج میں بھی اور ہوا بازی کے ادارے میں بھی یحییٰ حسین کا کلاس فیلو تھا۔ تفتیش کی تابڑ توڑ مار نہ برداشت کر سکا۔ اُس نے تسلیم کر لیا کہ وہ اخوان المسلمون کی جماعت کا رکن ہے، حالانکہ اس نے اخوان کے بارے میں چند سرسری باتیں سن رکھی تھیں۔ بات یہاں پر ہی نہ رکی بلکہ جب اُس سے یہ پوچھا گیا کہ اُس کا اُسرہ (اخوان کے تنظیمی گروپ اُسرہ کہلاتے ہیں) کونسا ہے جس میں وہ شامل ہوتا رہا ہے، تو اُس نے بتایا کہ "اخوان المسلمون کے دو قسم کے اُسرے ہوتے ہیں ایک خارجی اور دوسرے داخلی۔ اُس کا تعلق خارجی اُسرہ سے ہے"۔ اس من گھڑت کی بنا یہ تھی کہ خالد سیف بیرون ملک بکثرت جاتا رہتا تھا۔ جب اخوان کی مالی امداد کے بارے میں اُس سے دریافت کیا گیا تو اُس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اُس نے خیال کیا کہ اب اُس کا راز کھل جائے گا اور یہ لوگ سمجھ جائیں گے کہ میں سب جھوٹ گھڑ گھڑ کر بیان کر رہا ہوں۔ مگر جلد ہی اُس نے حل سوچ لیا۔ اُس نے بتایا کہ وہ ایک روز لبریشن گراونڈ کے اندر واقع مسجد عمر مکرم کے پاس کھڑا تھا کہ اس کے

پاس ایک شخص آیا جس کا نام اُسے معلوم نہیں، اور آکر مجھ سے پوچھنے لگا: کیا تم آخ (اخوان اپنے رکن یا رفیق کو آخ کہتے ہیں) ہو۔ میں نے جواب دیا: بے شک۔ اس کے بعد اُس شخص نے مجھ سے تیس قرش کی اعانت طلب کی۔ اور اُسی جگہ دوسری مرتبہ اُس نے پچاس قرش مانگے۔ یہ ہے خالد سیف کی تفتیشی رپورٹ۔ سادہ مضحکہ خیز۔

تقریباً ۶ ماہ کے بعد یحییٰ حسین کے دوستوں میں سے جو خوش نصیب انسان تھے وہ رہا ہو گئے۔ کچھ لوگ سال کے بعد چھوٹے۔ کچھ نے دو سال گزارے۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں جو ان سطور کے رقم کرنے تک جیل میں پڑے ہیں (یہ سطور ۵ نومبر ۱۹۶۹ء کو لیمان طرہ کی جیل میں بدھ کی شام کو لکھی گئیں)۔

یحییٰ حسین کی کہانی سنیئے۔ خفیہ پولیس کی جو رپورٹ سیکورٹی کورٹ آف اسٹیٹ کو پیش کی گئی ہے اُس میں حسبِ دفعہ ۱۲ فوجداری بابت سال ۱۹۶۵ء برائے تحفظ امن عامہ درج ذیل تفصیل دی گئی ہے:

ا۔ ”تفتیش کے نتیجے میں ساتویں ملزم محمد ضیاء الدین عباس الطوبجی نے اقرار کیا ہے کہ ملزم یحییٰ حسین اُس کے ساتھ ہی جماعت اخوان المسلمون کی خفیہ تنظیم کا رکن تھا۔ اور اس کا تعلق اُس ”اُسرہ“ (تنظیمی گروپ) سے تھا جو اُس کے مکان پر اجتماعات منعقد کیا کرتا تھا۔ اور یہ کہ ملزم یحییٰ حسین اپنی ماہانہ آمدنی کا پانچ فیصد جماعت کو بطور اعانت دیتا تھا۔ اور یہ کہ ملزم یحییٰ حسین نے اپنے گھر میں جاپانی طرز کی کشتی اور کھیلوں کی تربیت حاصل کر رکھی تھی۔ آتشیں اسلحہ کے استعمال کا طریقہ بھی سیکھ رکھا تھا۔ اُس نے ایک خنجر بھی وصول کیا تھا۔ نیز اُس نے علی عشماوی اور زینب الغزالی سے چند تنظیمی نوعیت کے خطوط بھی وصول کیے تھے تاکہ وہ ملک سے باہر جاتے وقت ساتھ لے جائے اور اخوان المسلمون کے متعلقہ افراد کو جو جدہ اور خرطوم میں رہتے ہیں بھیج دے۔“

”علی عشماوی نے ۱۹۶۵ء میں یحییٰ حسین سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ جب کسی پرواز میں بیرونِ ملک جائے تو ہو سکے تو ایک بے آواز کا ریوالور اُس کے لیے خرید تا لائے۔ نیز ملزم یحییٰ حسین نے جون ۱۹۶۵ء میں علی عشماوی کے ساتھ مل کر قاہرہ کے بین الاقوامی ہوائی اڈے کے پاور ہاؤس کا معائنہ کیا تاکہ اُسے اُڑانے اور تباہ کرنے کی کارروائی کی جا سکے۔ ملزم یحییٰ حسین ہی مختلف پاور ہاؤسوں کے اندر ٹائم بم رکھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ خفیہ تنظیم کا ایک اور رکن جو انجینئر ہے ملزم کے ساتھ ایئرپورٹ کے جائزے کے لیے گیا۔ دونوں نے مل کر بھرپور جائزہ لیا۔ بجلی پیدا کرنے کی مشینیں دیکھیں،

ٹیلی فون کے کنکشن دیکھے۔ واچ ٹاور کا جائزہ لیا اور جہازوں کو گائیڈ کرنے کا سسٹم دیکھا۔ اور یہ کہ علی عشماوی نے مذکورہ ملزم (یحییٰ حسین) کی ماہ جولائی ۱۹۶۵ء میں بر ڈیوٹی لگائی کہ وہ قاہرہ کے ریلوے اسٹیشن جائے اور صدر جمہوریہ جب ریل کے ذریعہ سفر کر رہے ہوں تو ان کی نگرانی کرے اور پھر اس بارے میں اپنی رپورٹ اُسے پیش کرے۔ علی عشماوی نے اگست ۱۹۶۵ء کو ملزم کو یہ بھی کہا کہ اگر وہ ـــــ یعنی علی عشماوی ـــــ گرفتار ہو جائے تو اس کے بعد ملزم فاروق المنشاوی سے رابطہ قائم کرے اور اُس سے ضروری ہدایات حاصل کرے۔ چنانچہ علی عشماوی کی گرفتاری کے بعد ملزم یحییٰ حسین نے فاروق المنشاوی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ اور جب ملزم اُس سے رابطہ قائم نہ کر سکا تو ملزم نے مذکور کو اطلاع کر دی کہ وہ خرطوم فرار ہونے والا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ملزم اور فاروق المنشاوی میں باہم رابطہ قائم نہیں ہو سکا"

(۲) " بارھویں ملزم فاروق عباس سید احمد نے اقرار کیا کہ ملزم یحییٰ حسین نے ۱۹۶۵ء میں اُسے بتایا تھا کہ وہ اخوان المسلمون کی خفیہ تنظیم کا رکن ہے۔ اور یہ تنظیم طاقت کے ذریعہ موجودہ حکومت کو بدلنا چاہتی ہے۔ اور یہ کہ ملزم جاپانی کھیلوں کی ریہرسل کر رہا ہے۔ اور تنظیم کے احکام پر عملدرآمد کرنے کے لیے وہ طویل مسافت پیدل طے کرنے کی ورزش بھی کر رہا ہے۔ ملزم یحییٰ حسین نے اُسے ـــــ یعنی فاروق عباس کو ـــــ بھی مشورہ دیا کہ وہ اس تنظیم میں شامل ہو جائے۔ اور یہ کہ ملزم نے ۲۲ اگست ۱۹۶۵ء کو اُسے یہ کہا کہ فاروق المنشاوی سے بذریعہ ٹیلی فون رابطہ قائم کر کے اُسے یہ اطلاع کر دی جائے کہ تنظیم کے چند ارکان گرفتار کیے جا چکے ہیں۔ مگر فاروق المنشاوی سے رابطہ قائم کرنے کا اُسے موقع نہیں مل سکا..... ختم شد"

یحییٰ حسین پر اسٹیٹ سیکورٹی کورٹ میں غائبانہ مقدمہ دائر کیا گیا۔ اس کورٹ کا سربراہ جمال الدین محمود تھا۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران جمال الدین محمود کا انتقال ہو گیا اور پھر میجر جنرل حسن التمیمی کے سامنے دوبارہ مقدمہ پیش ہوا۔ کورٹ کی طرف سے یحییٰ حسین کو ۲۵ سال قید بامشقت کی غائبانہ سزا سنائی گئی۔ وہ اس وقت سوڈان کے باغات میں بیٹھا آزادی کے مزے لوٹ رہا تھا۔ اس نے جن "خطرناک جرائم" کا ارتکاب کیا تھا وہ یہ تھے کہ اُس نے معائنہ کیا۔ رابطہ قائم کیا۔ پیغام پہنچایا۔ ملاقات کی۔ کہا۔ سنا۔ لہٰذا عمر قید بامشقت کی سزا اُسے ملنا ناگزیر تھی۔ (دیکھیے صفحہ ۴۸)